Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

Received: 20th Feb, 2024 | Accepted: 16th June, 2024 | Available Online: 30th June, 2024
Digital Object Identifier: 10.52015/daryaft.v16i01.390

لاطینی امریکی ادیبوں کے نوبیل خطبات میں متبادل شناخت کا کلامیہ

Discourse of Alternative Identity in Nobel Prize Lectures of Latin American Writers

QAMAR ABBAS ALVI
Lecturer Urdu, University of Jhang, Pakistan
(qamaralvi133@yahoo.com)

ABSTRACT The Term 'Latin America' is used to describe the region of America where Romance Languages (Derived from Latin) such as Spanish, Portuguese and French are spoken. This region is renowned for its Diverse Culture, Rich History Stunning Landscapes, Encompassing Tropical Rainforests, Andean Mountains and Caribbean Beaches. Notable writers such as Gabriela Mistral, Miguel Angel Asturias, Pablo Neruda, Gabriel Garcia Marques, Octavio Paz and Mario Vargas Llosa hail from this region and have been awarded the Nobel Prize. These Nobel Laureates often explore issues specific to their home countries or regions including social injustice, Resistance and struggle for social change, National and Personal Identity, Economic Inequality and Human Rights enriching the global discourse with their unique perspective and experience. This article is a Close Reading of These Nobel Laureates speeches.

Keywords Colonialism, Magical Realism, Counter Narratives, Alternative Narrative, Native, Cannon, Oral Tradition, Surrealistic Reality, Historical Fiction.

بیسویں صدی دو بڑی جنگوں کے نتیجے میں نو آبادیات (کولونیل ازم) کے خاتمے، نئی ریاستوں کی تشکیل اور نسبتاً نئے عہد کا آغاز ہے؛ نئے عہد کا آغاز ان معنوں میں کہ تیسری دنیا کی متعدد ریاستوں کو یورپی استعماریت سے نجات ملی اور چند نئی ریاستیں معرض وجود میں آئیں۔ سیاسی و سماجی سطح پر یہ صدی جہاں انارکی اور طاقت کے مراکز میں تبدیلیوں کا اعلامیہ ہے وہیں علم و ادب کے یورپی کینن پر سوالات کو بھی راہ ملی، اسی سے اندازہ لگائیں کہ بیسویں صدی کے نصف اول تک عالمی ادب کی اصطلاح کا مطلب کم و بیش یورپی ادب ہی لیا جاتا تھا جس کی غالب وجہ تیسری دنیا کی عدم نمائندگی یا تیسری دنیا کو یورپی نقطہ نظر سے دیکھنا تھا تاہم نو آبادیات کے خاتمے پر منظر نامہ بہت حد تک بدل گیا۔ نہ صرف عالمی ادب میں تیسری دنیا کے لکھاریوں کو شامل کیا جانے لگا بلکہ ان کی شناخت نے بھی نیا رخ اختیار کیا؛ جن شناختوں پر استعماری طاقتیں انھیں غیر مہذب، ناقص، کمتر اور پسماندہ قرار دیتی تھیں انھی شناختوں پر اصرار کیا جانے لگا لہٰذا افریقہ ہو، لاطینی امریکا، ایشیا یا مشرق وسطیٰ (جو عرف عام میں تیسری دنیا کہلاتے ہیں اور نو آبادیاں رہ چکے ہیں) کا ادب پہلی (سپر پاور) اور دوسری دنیا (صنعتی ریاستوں) کے ادب سے مختلف شعریات کے تحت پڑھے جانے کا تقاضا کرتا ہے۔ جہاں جہاں اس ادب کا مطالعہ یورپی تناظر میں کیا گیا مغالطوں نے جنم لیا، عجب نہیں کہ لاطینی امریکی فکشن کے مطالعے میں یورپی ناقدین کی توجہ طلسمی حقیقت نگاری

This work *is licensed under a* **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)**

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

کی نشان دہی تک محدود رہتی ہے جب کہ لاطینی امریکا کے مقامی باشندے (ادباء اور ناقدین) اس اصطلاح کے وجود ہی سے منکر ہیں؟ یہ تحریر لاطینی امریکی ادب کو مقامی نقطہ نظر (بالخصوص نوبیل لاریٹس) سے دیکھنے کو محیط ہے جنھوں نہ صرف یورپی کینن کو چیلنج کیا بلکہ اپنے کلچر اور ادب کی نئے سرے سے تشکیل اور تعارف کروایا۔

لاطینی امریکا (یا نئی دنیا) کی اصطلاح جنوبی امریکا کی ان ریاستوں کے مجموعے کے لیے استعمال ہوتی ہے جن میں لاطینی سے ماخوذ زبانیں (ہسپانوی، پرتگیزی اور فرانسیسی) بولی جاتی ہیں، یہ خطہ طویل عرصے تک یورپ (سپین، برطانیہ، پرتگال اور فرانس) کی کالونی رہنے کے سبب اپنی اصلی شناخت سے محروم رہا تاہم بیسویں صدی کے آغاز پر ان ریاستوں میں آزادی کی تحریکوں نے جنم لیا اور ربع سوم کے ختم ہوتے ہوتے تقریباً تمام ریاستیں خود مختار ہو گئیں۔ اب تک لاطینی امریکا سے تعلق رکھنے والے چھ ادباء[1] (تین ناول نگار اور تین شعرا) نوبیل انعام کے حق دار ٹھہرے ہیں جن کے نام گیبریلا مسترال، آستوریاس، پابلو نیرودا، اکتاویو پاز، گابرئیل گارسیا مارکیز اور ماریو برگس یوسا ہیں جنھوں نے نوآبادیاتی نظام کے خلاف مزاحمت، سماجی تبدیلی کے تسلسل، تحفظِ حقوقِ انسانی، معاشی استحصال سے نجات، انفرادی و قومی شناخت اور تشکیلِ نو کو اپنی شاعری اور فکشن کا موضوع بنایا۔ لاطینی امریکی نوبیل لاریٹس کے خیالات کے تجزیے سے قبل واضح کرتے چلیں نوآبادیاتی عہد کا ادب دو طرح کے بیانیوں: مزاحمتی اور متبادل، کو محیط ہوتا ہے۔ مزاحمتی، جوابی یا Counter Narrative نوآبادکار کے بیانیے کے جواب یا رد ہر دو صورتوں میں نوآبادکار کے بیانیے پر منحصر ہوتا ہے جب کہ متبادل یا Alternative Narrative خاصی حد تک آزاد اور مقامیت سے تعلق رکھتا ہے جس میں روایت کی بازیافت کے ذریعے اپنی اصل شناخت کی تشکیلِ نو بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے لاطینی امریکی ادیبوں کے ہاں دونوں طرح کے بیانیے موجود ہیں۔

میگیل اینجل آستوریاس نے نوبیل پرائز وصول کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا:

> "لاطینی امریکی ناول، یعنی ہمارا ناول، اس عظیم جذبے سے غداری نہیں کر سکتا جس نے ہمارے سارے عظیم ادب کی تشکیل کی ہے اور مسلسل کر رہا ہے۔ اگر آپ ناول صرف قاری کی تفریح کے لیے لکھتے ہیں تو ان کو جلا دیجیے۔ میرا یہ پیغام مسیحی مبلغین کی گرم جوشی جیسا ہی ہو گا اس لیے کہ اگر آپ ان ناولوں کو جلا نہیں دیتے تب بھی وہ لوگوں کی یادداشت کے صفحات سے، جہاں ایک شاعر یا ناول نگار رہنے کی تمنا کرتا ہے، بہ ہر حال مٹ جائیں گے۔ ذرا غور کیجیے، آج تک بھلا کتنے لکھنے والے ہوئے ہیں جنھوں نے ناول لکھے ہوں گے صرف تفریح کے لیے؟ اس کے برعکس، ہمارے لیے کتنا آسان ہے ان لوگوں کے نام دہرانا جنھوں نے لکھا ہے تصدیق کے لیے، وقت کی گواہی کے لیے۔"[2]

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

اور کہنا یہ چاہا ہے کہ لاطینی امریکی ناول قاری کی تفریح طبع کے لیے لکھا گیا ادب ہر گز نہیں جیسا کہ یورپی ناقدین اس میں فینٹسی اور طلسمی حقیقت نگاری کی نشان دہی کرتے ہوئے باور کراتے ہیں بلکہ یہ ہر لحاظ سے اپنی زمین سے وفادار ہے۔ یہ اپنے باسیوں کے نظریات، اعتقادات، افکار اور مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے اپنے عہد کی گواہی دیتا ہے اور جو فن پارہ اپنے عہد کی گواہی نہیں دیتا وہ بہت جلد اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ اس بیان سے آستوریاس کی مراد واقعات کا صحافیانہ بیان ہر گز نہیں بلکہ ادب کی تشکیل میں سماجی و ثقافتی عوامل کی کار فرمائی اور سماجی تبدیلی میں ادیب کے کردار کی نشان دہی ہے۔ سبب یہ ہے کہ لاطینی امریکی ادبا جب اپنے خطے اور عہد کے مسائل کو فن پاروں کا موضوع بناتے ہیں تو ان کا یہ بیان یورپی قارئین و ناقدین کو طلسمی و فنتاسی نظر آتا ہے جب کہ مقامیوں کے لیے عین حقیقت ہے۔ آستوریاس اس غلط فہمی کا ازالہ مقامی ادب کی ہزار سالہ تاریخ کے مطالعے میں تلاش کرتے ہیں، جس کی آبیاری تین تہذیبوں: مایا(Maya) ایزٹیک(Aztec) اور اِنکا(Inca) نے کی جنھیں سمجھے بنا لاطینی امریکا کے مسائل اور ادب کو کماحقہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

آستوریاس کا اصرار ہے کہ ہماری یعنی لاطینی امریکا کی تاریخ اتنی ہی عجیب ہے جتنا کہ کوئی ناول ہو سکتا ہے بہ الفاظ دگر ہماری تاریخ میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جن پر فکشن انحصار کرتا ہے، اور ہماری تاریخ کے ان فکشنی عناصر کو سمجھے بنا ہمارے ناولوں کی تفہیم ممکن نہیں یہی سبب ہے کہ یورپی ناقدین ان کی درست تفہیم سے قاصر ہیں۔ آستوریاس لاطینی امریکی فکشن کو دو ادوار: زبانی روایت (Oral Tradition) اور تحریری روایت (Written Tradition) میں تقسیم کرتے ہیں۔ زبانی روایت مایا اور ایزٹیک کی تمثیلی و مجازی مصوری پر مبنی ان تاریخی کتب سے متعلق ہے جسے مقامی لوگ گا کر سنایا کرتے تھے (وہ پڑھنے اور گانے میں فرق نہیں کرتے تھے)، پڑھنے والا ان قصوں کی تصویری علامات کی زبان کو سمجھتا اور سننے والوں کی تفریح طبع کے لیے ان کی ترجمانی کرتا تھا۔ آگے چل کر یہ تصویروں سے بنی کہانیاں لوگوں کی یادداشت میں جگہ پاتی، نسل در نسل منتقل ہوتی اور اجتماعی لاشعور کا حصہ بنتی گئیں تا آں کہ ہسپانویوں (نو آبادکار) کی آمد کے ساتھ لاطینی اور ہسپانوی زبان میں تحریری روپ دھارنے لگیں۔ یہ ایک نوع کی تاریخی کتب تاریخ سے زیادہ فکشن کی خصوصیات کی حامل ہیں جن کے سبب آستوریاس انھیں فکشن میں شمار کرتا ہے۔ تاریخ اور فکشن کا یہ آمیزہ نہ تو ٹھوس تاریخی حقائق ہیں نہ ہی خالص فکشن بلکہ اسے درست طور پر تاریخی فکشن(Historical Fiction) کہنا چاہیے یہ ایک Surrealistic Reality ہے جو اتنی ہی حیران کن ہے جتنا کہ ایک ناول ہو سکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ متن کی زبانی روایت میں زمان و مکان کے مسلسل عملِ تنسیخ کے نتیجے میں حقیقت سے کہیں زیادہ فوق الفطرت یا ارفع حقیقت وجود پاتی ہے اور بیان کے متوازی اسالیب جنم لیتے ہیں۔ ایک ہی شے، ایک ہی قسم کے خیالات، ایک ہی کیفیت کے محسوسات کے بیان میں الفاظ کا مختلف مگر متوازی استعمال ہوتا ہے اور مقامی متون کی متوازیت ان درجہ بندیوں کو اجازت فراہم کرتی ہے جو قاری کو ایسی وادیوں میں لے جاتی ہے جسے اعجاز یا جادو کہا جاتا ہے لاطینی امریکی فکشن کے ذیل میں بھی یہی کچھ ہوا۔ لاطینی امریکی فکشن کی زبانی روایت کو آستوریاس کو لمبیاوں سے پہلے کی نسلوں کی بہادری کے گیتوں اور غلامی و محرمیوں کی دستاویزات سے تعبیر کرتے ہیں۔ پہلا حصہ ان گیتوں اور رزمیوں کو محیط ہے جنھیں رجز خواں تاریخی افسانہ طرازی سے بڑھا چڑھا کر قبائل کی عمدہ آوازوں میں شہر شہر

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

گاتے پھرتے تھے تاکہ ان کے گانے کا سحر اور ان کے معبودوں کے لہو کی مثال پھیل سکے۔ مقامی ادب میں ایسے متعدد مگر کم معروف گیت موجود ہیں جو اپنے عہد کے سورماؤں کی یاد دلاتے ہیں جنھیں لوگ سنتے اور پسند کرتے ہیں البتہ دوسری نوع کی دستاویزات کی نوعیت ان سے مختلف ہے۔ یہ دستاویزات عہد غلامی کا احاطہ کرتی ہوئی اپنے عہد کی لاحاصل خاموشیوں کے خلا کو پر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

لاطینی امریکی ادب کی دوسری یعنی تحریری روایت کا تعلق اِنکا تہذیب سے ہے جو ہسپانویوں کی آمد اور مقامی روایت کے ساتھ آمیزش سے وجود میں آئی۔ اس نوع کی دستاویزات کی مثال Bernal Diaz del Castillo کی تحریر True Story of the Events of the Conquest of New Spain ہے جو ایک وقائع نگار کے ہاتھوں لکھے تاریخی فکشن کی عمدہ مثال ہے۔ Bernal گوئٹے مالا کے شہر سنتیاگو (Santiago) سے تعلق رکھنے والا ایک ہسپانوی النسل سپاہی ہے جس نے اسی برس کی عمر لاطینی امریکا میں گزاری، اس دوران میں اس نے مقامی ادبی متون سنے اور پڑھے اور ان کے انجذاب سے اس کی صورت پذیری کی۔ Bernal اس تحریر میں مقامی لوگوں کو شکست خوردہ، مفتوح ہو کر پاتال میں گرتے ہوئے سراپا احتجاج اور انصاف طلب کرتے دکھاتا ہے، جو وینزویلا کے ادیب Arturo Uslar Pietri کے الفاظ میں 'جدوجہد کی دستاویز'[۳] ہے۔ یہ تحریر اپنی جگہ تلخ اور سفاک سہی مگر اپنے عہد کی گواہ اور بریت کے مماثل ہے اور یہ کسی مؤرخ کا ٹھوس حقائق پر مبنی مسودہ نہیں ایک ادیب کی تحریر ہے جو قاری کو متاثر اور قائل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

لاطینی امریکی ادب کی تحریری روایت نے ایک ایسی نسل کو فروغ دیا جو ہسپانویوں اور مقامی لوگوں کے انجذاب سے وجود میں آئی اس نسل نے لاطینی امریکا کی کماحقہ عکاسی کرتے ہوئے تین موضوعات : جلاوطنی، بغاوت اور رومانیت، کا احاطہ کیا۔ اس دوغلی (Hybrid) نسل کا پہلا نمائندہ Garcilaso ہے جو ہسپانوی النسل امریکی ہے جس نے دونوں روایتوں (ہسپانوی و امریکی) سے استفادہ کرتے ہوئے پیرو (Pero) کے جابر حکمرانوں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اول اول تو اس کی تحریروں کا ابلاغ بہت محدود رہا البتہ آزادی کی جدوجہد کے دوران ان کی معنویت عیاں ہونے لگی۔ Garcilaso کی تنقید نے دو دھاری تلوار کا کام کیا اس نے جہاں حاکم طبقہ کو نشانہ بنایا وہیں تہذیبی و مذہبی پابندیاں بھی اس کا ہدف ٹھہریں یہاں تک کہ انھیں ضبط کرنے کا حکم جاری ہو گیا۔ گوئٹے مالا کے شاعر Rafael Landivar نے بغاوت کا منفرد انداز اپنایا، طاقت اور طاقت ور طبقے کو نشانہ بنانے کے بجائے ان تصورات کی تنسیخ کی جو مقامی لوگوں سے متعلق عام تھے یہی وجہ ہے کہ اسے دھرتی اور دھرتی کے باسیوں کی معتبر ترین آواز سمجھا جاتا ہے۔ Landivar کے گیت جہاں اپنے خطے کے لہلہاتے کھیتوں، مویشیوں کے گلے، گنگناتے پرندوں اور ذرخیز میدانوں کے بیان اور علاقائیت سے محبت کا ثبوت ہیں وہیں مقامی لوگوں (ریڈ انڈین) کی مبینہ کاہلی اور بدقماشی پر مشتمل یورپیوں کے پھیلائے ہوئے فسانوں کی بھی نفی کرتے ہیں۔ Landivar مقامی لوگوں کی حقیقی تصویر پیش کرتے ہیں جس میں وہ باربرداری کرتے، ریشم کے کیڑوں کی کاشت سے ریشم پیدا کرتے، خوبصورت سیپیوں کو کھولنے کے لیے چٹانوں پر جھوجھتے، صبر اور مستقل مزاجی سے ہل چلاتے، نیل کے پودوں کی کاشت کرتے اور کانوں سے چاندی نکالتے نظر آتے ہیں۔ Landivar کا یہ طرز عمل متبادل بیانیے کی عمدہ مثال ہے جس میں طاقت کے مراکز کو نشانہ بنانے کے بجائے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

مقامیت اور مقامیوں کی تعبیرِ نو کرتے ہوئے نو آبادکار کی دی ہوئی شناختوں کو رد کرتے ہیں (اردو کی حد تک ایسا ہی طرزِ عمل انتظار حسین اور میرا جی نے اپنایا)۔

غور کیا جائے تو لاطینی امریکیوں کی رومانیت کسی دبستان سے زیادہ ایک پرچم کی طرح ہے جس کے سائے میں شاعر ناول نگار اور تاریخ نویس اپنے شب و روز کے سیاسی اعمال اور اپنے خواب دیکھتے ہیں۔ آستوریاس لکھتے ہیں: میرے لیے اصل امریکی ناول ان تمام مسائل کے لیے ایک پکار ہے، ایک چیخ ہے جو صدیوں گونجتی رہتی ہے اور پھر کہیں جا کر ہزاروں صفحات میں ابھرتی ہے۔ وہ ناول جو اصلاً ہمارا ہے، اپنے صفحات میں وفادار ہے انسانی جذبوں کا، محنت کشوں کی خالی مٹھیوں کا، کسانوں کے پسینے کا، ہمارے بھوک سے مرجھائے ہوئے بچوں کا اور سمندر کی جانب بہتی ہوئی ہماری وسیع زمینوں کے خون اور عرق حیات کا، جو ہمارے نئے شہروں کو نمو کے شگوفوں کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ ہماری کتابیں علم کی جمہوریہ میں اپنی جگہ بنانے کے لیے سنسنی خیز لوگوں یا دہشت انگیز اثرات کی تلاش میں نہیں رہتیں۔ ہم ان سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں لاطینی امریکی لوگوں سے خونی رشتوں کے ذریعے جڑے ہوئے ہیں جو ہمارے ثروت مند امریکی براعظم میں رہتے ہوئے بھی بدحالی کا شکار ہیں۔ ہمارے ناول تمام دنیا کی اخلاقی قوتوں کا یکجا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں کا دفاع کیا جاسکے۔ ہمارے ادب میں دونسلے پن کا عمل بہت آگے جا چکا تھا اور امریکا کی دوبارہ دریافت کے سلسلے میں اس نے براعظم کی پر شکوہ فطرت کو انسانیت کی وسعت بہم پہنچائی۔ مگر یہ فطرت انڈین لوگوں کی کتابوں کے مطابق نہ تو معبودوں کے لیے ہے، نہ ہی رومانیت کی کتابوں کے مطابق سربرآوردہ لوگوں کے لیے ہے، بلکہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ایک ہی جیسی فطرت ہے۔[۴]

آستوریاس کی اس بات سے اختلاف نہیں کہ لاطینی امریکی ناول اپنا پر میتھیئس خود تخلیق کرتا ہے یہ ایک چیخ ہیں ایسے خطے کے مقامیوں کی جو نو آبادیات کا تلخ تجربہ رکھتے ہیں، اپنی مرتی ہوئی تہذیب اور مٹتی ہوئی تاریخ کے نوحہ خواں اور حیاتِ نَو کے لیے کوشاں ہیں، جنھیں اپنی شناخت کا احساس، آزادی کے مفہوم اور قیمت کا اندازہ ہے اور اس اعتماد سے لکھتے ہیں بھلے ان کا ادب کسی قوم کے لیے موضوع کی حد تک کتنا ہی عجیب اور پر اسرار ہو اپنے خطے اور لوگوں کا وفادار ہے۔ یہ ناول اپنے اسلوب کے اعتبار سے لکھے ہوئے سے زیادہ بولے ہوئے ہیں یعنی ان کا تعلق تحریر کی روایت سے تو ضرور ہے مگر یہ ہماری زبانی روایت سے لاتعلق ہرگز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے لوگوں کی ان کی قرات کے دوران کسی متحرک منظر کا سا احساس ہوتا ہے جس کا سبب ان کا ڈرامائی انداز ہونے کے بجائے مقامی کہاوتوں، قصوں، تشبیہات اور تماثیل کا سلسلہ ہے۔ یہ بہ ظاہر تو لکھے ہوئے الفاظ ہیں مگر حقیقتاً یہ حروف سے آواز کے بجائے آواز سے حروف بنانے کا عمل ہیں اسے اصطلاح میں Onomatopoeia کہتے ہیں، جسے سمجھے بنا لاطینی امریکی ناولوں کی تفہیم ممکن نہیں۔

لاطینی امریکا سے تعلق رکھنے والے دوسرے ناول نگار گابریئل گارسیا مارکیز ہیں جنھیں ۱۹۸۲ میں ادب کے نوبیل پرائز سے نوازا گیا۔ مارکیز نے اپنے نوبیل پرائز لیکچر بعنوان: لاطینی امریکا کی تنہائی، کا آغاز فلورنس کے جہاز راں انتونیو پیگافیتا (جو دنیا کے گرد پہلے بحری سفر میں ماگیلان کا ساتھی تھا) کی رودادِ سفر سے کیا جو حقیقت پر مبنی ہوتے ہوئے بھی ایک طلسم ہے ملاحظہ فرمائیں:

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

"وہ[انتونیوپیگافیتا]بتاتا ہے اس نے ایسے سور دیکھے جن کی ناف ان کے پٹھوں پر تھی، ایسے پرندے دیکھے جن کی ٹانگیں غائب تھیں اور جن کی مادائیں نروں کی پیٹھ پر انڈے دیتی تھیں، بعض پرندے پیلکن سے مشابہ تھے مگر ان کی زبانیں نہیں تھیں اور چونچ کی شکل چمچے کی طرح تھی۔ وہ ایک ایسی مخلوق کو دیکھنے کا تذکرہ کرتا ہے جو خچر کے سر اور کان، اونٹ کا دھڑ، ہرن کی ٹانگیں اور گھوڑے کی ہنہناہٹ لے کر پیدا ہوئی تھی۔ وہ بتاتا ہے کہ کس طرح پاتاگونیا میں پہلی بار کسی مقامی سے سامنا ہونے پر، انھوں نے آئینہ اس کے مقابل کر دیا تھا، جس سے وہ مشتعل دیوزاد، اپنے عکس کی دہشت کے روبرو ہوش وہواس کھو بیٹھا۔"(۵)

انتونیوپیگافیتا کا یہ بیان سفر نامے سے کہیں زیادہ افسانوی تحریر کا اقتباس معلوم ہوتا ہے اور لاطینی امریکا کی بالکل ویسی ہی تصویر پیش کرتا ہے جیسی ایک نو آبادکار کے خیال میں ممکن ہو سکتی ہے یا وہ ایک کالونی کی جیسی تصویر اس کالونی کے باہر کے لوگوں میں پیش کرنا چاہتا ہے ورنہ پرندوں کے پروں کا غائب ہونا یا ماداوں کا نروں کی پیٹھ پر انڈے دینا کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے؟ تاہم مارکیز کا ماننا ہے کہ یہ ہمارے لیے کوئی حیرت کی بات نہیں بلکہ سیاحوں نے ایسے متعدد بیانیے چھوڑے ہیں اور لاطینی امریکا کی حقیقت عرصے تک متعدد نقشہ سازوں اور نقشوں میں ایسے ہی بیان ہوتی رہی ہے ویسے بھی نقشہ سازی، ترجمہ کاری اور سفر نامے کی تخلیق کبھی بھی کلی طور پر معصوم کارروائی نہیں ہو سکتی(۶) لہٰذا ہم لاطینی امریکی اپنے اس امیج سے خوفزدہ ہوتے ہیں نہ برہم بلکہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری تاریخ اپنے اندر اتنا ہی طلسم رکھتی ہے، یہاں کچھ بھی ممکن ہے۔ نو آبادکار (ہسپانویوں) کی آمد کے بعد سے لاطینی امریکا میں اسے متعدد واقعات رونما ہو چکے ہیں جو اس بیان کردہ حقیقت سے کہیں زیادہ پر اسرار، حیران کن، دلخراش اور چشم کشا ہیں یہ وہی زمین ہے جس کے چھوٹے سے ملک ایکواڈور پر سولہ برس تک مطلق العنان حکمرانی کرنے والے جنرل گابریئل گارسیا مورینو کی فوجی وردی میں ملبوس تمغوں سے لدی ہوئی لاش صدارتی کرسی پر متمکن اپنی آخری رسومات میں شرکت کرتی ہے، جنرل ماکسی ملیانو ہرنانڈیز مارتینیز جو اِل سلواڈور کا حکمران رہا اور سولہ ہزار بے گناہ کسانوں کو تہہ تیغ کرنے اور اپنے خلاف ہونے والی بغاوت اور غذا میں زہر کا پتا چلانے کے لیے ایک پنڈولم ایجاد کرتا ہے اور ایک وبا میں مدافعت کی غرض سے گلی کے لیمپوں کو سرخ کاغذ سے ڈھکوا دیتا ہے، اسی زمین پر تگوسی گالپا کے ایک مرکزی چوک میں ایستادہ جنرل فرانسسکو مورازان کا مجسمہ حقیقت میں پیرس کے ایک مجسموں کے گودام سے خرید کر لایا گیا۔

نہ صرف یہ بلکہ اس خطے نے محض گیارہ سال کے عرصے میں پانچ جنگوں، سترہ فوجی بغاوتوں اور ایک ڈکٹیٹر کا سامنا کیا ان جنگوں میں کم و بیش دو لاکھ مرد و زن لقمہ اجل بنے، گرفتار کی جانے والی عورتوں نے جیلوں میں بچوں کو جنم دیا جو معجزانہ طور پر غائب کر دیے گئے یا پھر یتیم خانوں کو سونپ دیے گئے کسی کو معلوم نہیں، صرف وہ بچے ایک سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے موت کا شکار ہوئے ان کی تعداد دو کروڑ ہے یہ تعداد اس عرصے میں یورپ بھر میں پیدا ہونے والے بچوں کی کل تعداد سے زیادہ ہے مزید براں جبری گمشدگی کا شکار ہونے والوں کی تعداد بھی ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ ہے یہ سب اس لیے ہوا کہ اس خطے کے باسی اپنی دنیا کو بغیر کسی تبدیلی کے جاری رہتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ ان مارے جانے والوں کے علاوہ جلاوطنی اختیار کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے صرف چِلی سے دس

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

لاکھ افراد نے ترک وطن کیا جو اس کی کل آبادی کے دسویں حصے کے برابر ہے، یوراگوائے جو پچیس لاکھ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے، کا ہر پانچواں فرد جلاوطنی پر مجبور ہے، اِل سلواڈور کی یہ حالت رہی ہے کہ ہر بیس منٹ پر ایک فرد پناہ گزینی پر مجبور ہو رہا ہے بحیثیتِ مجموعی لاطینی امریکا کے تمام تارکینِ وطن پر مشتمل ایک ملک بنایا جائے تو اس کی آبادی ناروے سے زیادہ ہو گی۔

یہ وہ اعداد و شمار ہیں جن کا بیان لاطینی امریکیوں کے لیے عین حقیقت البتہ لاطینی امریکا سے باہر بسنے والوں کے مبالغہ آمیز، جادوئی یا پتا نہیں کیا ہے۔ یہ حسن اور درد کا خطہ جسے مارکیز نے 'آسیب زدہ مَردوں اور تاریخ ساز عوتوں کی سرزمین'[۷] لکھا ہے اتنا ہی عجیب ہے یہاں کے لکھنے والوں کو موضوعات کی تلاش کے لیے متخیلہ پر انحصار نہیں کرنا پڑتا بلکہ موضوعات ان کی نیندیں اڑا دیتے ہیں ان کے پاس لکھنے کے لیے بے شمار کہانیاں ہیں انھیں صرف انتخاب کی ضرورت ہے کہ پہلے کس دُکھڑے کو رویا جائے اور کسے موقوف رکھا جائے۔ سو انھیں موضوع سے زیادہ اسلوبِ بیان کا انتخاب کرنا پڑتا ہے کہ اپنے دکھ میں دوسروں کو کیسے شریک کیا جا سکے، کس اسلوب میں اپنی اس دہشت ناک صورت حال کو من و عن اپنے قارئین تک منتقل کیا جا سکے۔ مارکیز یورپی ناقدین سے شکوہ کناں ہیں: یہ بات قابلِ فہم ہے کہ دنیا کے اس حصے کی عقلی صلاحیتیں، جو اپنی تہذیب کے انہماک میں سرفراز ہیں، ہماری شرح کرنے کا کوئی موزوں طریقہ نہ پا سکیں۔ یہ محض فطری بات ہو گی کہ وہ (یعنی یورپی) ہمیں جانچنے کے لیے بھی وہی پیمانہ اختیار کریں جو وہ خود اپنے لیے اختیار کرتے ہیں، اس بات کو فراموش کر کے کہ زندگی کی غارت گری سب کے لیے یکساں نہیں ہوتی، اور اس بات کو بھی کہ شناخت کی جستجو ہمارے لیے بھی اتنی ہی دشوار اور خوں آلود ہے، جتنی خود ان کے لیے رہ چکی ہے۔ اجنبی اصطلاحات میں ہماری شرح کرنا ہمیں اور زیادہ نامعلوم، ہماری آزادی کو اور زیادہ محدود اور ہمیں اور زیادہ تنہا کر دیتا ہے۔[۸]

مارکیز کے دونوں شکوے بجا ہیں اول لاطینی امریکیوں کا بھی اتنا ہی حق ہے کہ یورپی ناقدین انھیں اسی کسوٹی پر پرکھیں جس کی وہ اپنے لیے توقع رکھتے ہیں دوم اجنبی اصطلاحات (غالباً طلسمی یا جادوئی حقیقت نگاری) لاطینی امریکا کی شناخت کو اور زیادہ مبہم اور لاطینی امریکیوں کا تنہا کر دیتی ہے۔ مارکیز آگے چل کر کچھ سولات اپنے مخاطبین (و قارئین) کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں کہ جب ہمارے ناولوں کو سراہا جاتا ہے اور ہماری تخلیقی قوتوں کی داد (جس کی ایک کڑی نوبیل پرائز بھی ہے) دی جاتی ہے تو یہ کیوں بھلا دیا جاتا ہے کہ ہم اسی صورتِ حال سے نکلنے کے لیے لکھتے ہیں، اور سماجی تبدیلی کے لیے ہماری جستجو کو کیوں نہیں سراہا جاتا؟ کیا یورپ کے کسی خطے میں سماجی ناانصافی کے خلاف ہونے والی مزاحمت اور ہماری مزاحمت کی منزل ایک نہیں ہے؟ اگر ہم سب کی منزل ایک ہے تو اس کے لیے دو جداگانہ طرزہائے عمل کیوں؟

مارکیز کے یہ سوالات جھنجھوڑ دیتے ہیں، جب کسی خطے کے لکھاریوں کی تخلیقی قوتوں کو سراہا جا رہا ہے تو ان کی سماجی تبدیلی کے لیے کوششوں یا سماج میں موجود مسائل کو طلسمی یا جادوئی کہہ کر ان چشم کشا حقائق پر پردہ پوشی کیوں کی جاتی ہے؟ مارکیز لکھت کو اسی چشم پوشی کے خلاف مزاحمت کے طور پر جاری رکھتے ہیں اور اسے جاری دیکھنا چاہتے ہیں کیوں کہ وہ ولیم فاکنر کے ہم خیال اور 'انسان کے خاتمے کے منکر ہیں'[۹]، وہ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ انسان کے بقا کو ماننے والے گو تعداد میں زیادہ مگر وسائل سے محروم ہیں ہاں یہ بزدل نہیں؛ ویسے کیا یہ المیہ نہیں کہ انھی ممالک میں شرح پیدائش سب سے زیادہ ہے جو نام نہاد تیسری دنیا کا حصہ اور اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

ہیں؟ دوسری طرف پہلی اور دوسری دنیا کے خوشحال ممالک نے تباہی کے لیے اس قدر ہتھیار جمع کر لیے ہیں جو اس سیارہ سے زندگی کے نام ونشان کو کئی بار مٹا دینے کے لیے کافی ہیں؟ مارکیز ہی نہیں زندگی پر یقین رکھنے والا کوئی بھی لکھاری انسانی کے خاتمے کی جنگ کا حصہ نہیں بن سکتا ہندوستان کی روشن خیال ادیبہ اور لکھاری ارندھتی رائے کا دوٹوک موقف ہے: اگر آپ مذہب پر یقین رکھتے ہیں تو یاد رکھیے ایٹم بم انسان کی طرف سے خدا کو دیا جانے والا چیلنج ہے۔ اس چیلنج کے الفاظ بالکل سادہ ہیں: تو نے جو کچھ بنایا ہے اسے ہم تباہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اگر آپ مذہبی نہیں ہیں تو اس کو یوں دیکھ سکتے ہیں: ہماری دنیا چار ارب ساٹھ کروڑ سال پرانی ہے اور یہ محض ایک سہ پہر میں تباہ کی جاسکتی ہے۔[۱۰] مارکیز لاطینی امریکا کی خانہ جنگی، جبری گمشدگی، لوٹ مار اور جلاوطنی کے مقابل زندگی کو رکھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ ہم لکھاری اس دنیا کو بدلنے پر قدرت نہیں رکھتے مگر ہم تبدیلی کا خواب تو دیکھ سکتے ہیں۔ ہم کہانیاں ایجاد کرنے والوں کے لیے کہانی لکھنا خواب دیکھنا ہے اس دنیا کا خواب جس میں زندگی آسان اور زندگی پر یقین پختہ ہو۔

مارکیز کی اس مزاحمت کو آگے بڑھانے والے اور لکھت کو ناخوشی سے مقابلے کا ذریعہ[۱۱] بنانے کے مدعی ناول نگار اور نقاد ماریو برگس یوسا نے اپنی نوبیل پرائز تقریر میں سوال اٹھایا کہ کیا میرے جیسے تیسری دنیا کے ممالک کے باسیوں: جن کے قارئین معدودے چند، آبادی کی اکثریت غریب اور ان پڑھ اور ثقافت محض چند گھروں کی خصوصی مراعات میں شامل ہے، کے لیے لکھنا اَنا پرستانہ تعیش نہیں؟[۱۲] سوال پیدا ہوتا ہے میرے ایسے لکھاری جن کے قارئین نہ ہونے کے برابر ہیں، جنھیں جینے اور لکھت کو جاری رکھنے کے لیے مطلوبہ سہولیات خود سے ایجاد کرنا پڑتی ہیں یا ان کے بغیر جینا پڑتا ہے آخر لکھتے ہی کیوں ہیں؟ کیا لکھنا ان کے لیے منافع بخش پیشہ ہے یا کوئی ذاتی مجبوری؟ (بر سبیلِ تذکرہ یوسا سے قبل یہ سوال عربی ناول نگار نجیب محفوظ بھی اپنی نوبیل تقریر میں اٹھا چکے ہیں تاہم) یوسا کھل کر اعتراف کرتے ہیں کہ لکھنا میرے نزدیک اَنا پرستانہ تعیش یا مزاحمت اور لکھت ناخوشی سے مقابلے کا ذریعہ ہے یعنی وہ سب کچھ جو میسر نہیں یا جس کا حصول ناممکن ہے اسے اپنی لکھت کی دنیا میں ممکن بنانا، دوسرے الفاظ میں تحریر کے ذریعے ایک متوازی زندگی خلق کرنا جو حقیقی دنیا سے زیادہ منظم، خوبصورت اور دل کش ہو۔ ہم فکشن اس لیے ایجاد کرتے ہیں کہ صرف ایک زندگی دسترس میں ہوتے ہوئے کسی نہ کسی طرح متعدد زندگیاں گزار سکیں۔[۱۳] یہ تحریر کی دنیا ہی ہے جو غیر معمولی کو فطری اور فطری کو غیر معمولی بنا سکتی ہے، جو انتشار کو رد کرنے، بدصورتی کو حسن دینے اور موت کے خوف کو دھندلا سکتی ہے۔ گو فکشن یا ادب زندگی کی ایک مصنوعی شبیہ ہے پھر بھی یہ ہمیں زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے کے قابل بناتا ہے، حقیقی زندگی کی دی ہوئی مایوسیوں کا ازالہ کرتا اور زندگی کا شعور دیتا ہے۔ اور اگر ادب کو اپنی زندگی سے خارج کر کے دیکھیں تو یک رنگی کے علاوہ کچھ نہیں بچے گا جہاں ادب اپنے قاری کو لطف، حیرت یا تکلیف ایسے احساسات میں مبتلا کرتا ہے وہیں زندگی کی اہمیت بھی اجاگر کرتے ہوئے جبر کے خلاف مزاحمت اور آزادی کا احساس بھی دلاتا ہے کہ یہی زندگی جب کسی آمر یا مذہب کے پیروکاروں کا شکار ہوتی ہے تو کیسے جہنم بن جاتی ہے؟ ادب کی اسی تاثیر کا سبب ہے کہ ہر دور کی حکومتیں اس سے خائف رہی ہیں ورنہ لوگوں کے گود سے گور تک کے معمولاتِ زندگی کو کنٹرول کرنے والی حکومتوں کو سنسر شپ کی ضرورت کیوں کر پیش آتی ہے؟ ادب اور بالخصوص فکشن کی دنیا آمروں اور مذہبی بنیاد پرستوں کے تشکیل کردہ یک رخے اور مطلق العنان سچائی کے تصور کا ملیامیٹ کر دیتی ہے ادب کسی حتمی سچائی کا دعوے دار نہیں، نہ ہو سکتا ہے، ادب اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہے کہ حقیقت کے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

متنوع اور متضاد پہلوؤں کو ایک ہی وقت میں تصور میں لا سکتا ہے اور اسے ان میں کوئی تضاد نہیں محسوس کرتا جب کہ مذہب اور آمروں کی دنیا کی ساری طاقت حقیقت کی سادہ، غیر متغیر اور اکہری تعبیر میں ہے۔ ادب انسانی تنوع کے اندر ایک برادری خلق کرتا اور لاعلمی، نظریات، مذاہب، زبانوں یا حماقت کے باعث مرد و خواتین کے درمیان قائم سرحدوں کو غیر اہم بناتا ہے۔ عجب نہیں کہ جب ادب کی آزاد دنیا کا قاری تحریر کی دنیا کی آزادی کا موازنہ حقیقی دنیا سے کرتا ہے تو اسے نہ صرف مایوسی ہوتی ہے بلکہ اجنبیت کا یہی احساس اس کے اندر بغاوت بھی پیدا کر دیتا ہے۔ کہانیوں کے لکھاری دانستہ یا نادانستہ طور پر جب کہانیاں ایجاد کرتے ہیں تو بے اطمینانی کو جنم دیتے ہیں یہی بے اطمینانی جب شعور میں جگہ بنا لیتی ہے تو قارئین آمروں اور مذہبیوں کی تشفیوں اور داروغوں پر؛ جو انھیں یقین دلاتے ہیں کہ سلاخوں کے پیچھے زندگی محفوظ ہے، یقین نہیں لاتے اور ان پر کنٹرول کرنا آسان نہیں رہتا۔ اس صورتِ حال سے بچنے کے لیے ہر آمر سنسر شپ کا سہارا لیتا ہے عجب نہیں کہ افلاطون اپنی یوٹوپیا[۱۴] کی بقا شعرا (قدیم یونان میں ڈراما منظوم تھا سو شاعری اور ڈراما ایک ہی چیز تھی) کی دربدری میں دیکھتا ہے۔ بقولِ یوسا:

> "ادب کے جھوٹ ہمارے توسط سے صداقتیں بنتے ہیں، فکشن کی وجہ سے خواہشات زدہ قارئین اوسط درجے کی حقیقت پر متواتر سوال اٹھاتے رہتے ہیں۔ جب ادب ہمیں امید دلاتا ہے تو ہم جیسے جادو کے تحت اُس ناممکن وجود تک رفعت پا لیتے ہیں جہاں قدیم دیوتاؤں کی طرح بیک وقت فانی اور ابدی دونوں کو محسوس کرتے ہیں جو ہماری روحوں میں ناموافقت پذیری اور بغاوت دونوں کو متعارف کرواتا ہے۔ یہی ناموافقت پذیری اور بغاوت ان تمام سورمائی کارناموں کے پیچھے موجود ہیں جنھوں نے انسانی تعلقات میں تشدد کو گھٹانے میں حصہ ڈالا؛ تشدد کو گھٹایا اس کا خاتمہ نہیں کیا۔ کیوں کہ خوش قسمتی سے ہماری کہانی نامکمل رہے گی اس لیے ہمیں خواب دیکھنا، پڑھنا اور لکھنا جاری رکھنا ہے۔ ہم نے اپنے فانی پن کو کم کرنے، وقت کی زنگار کو شکست دینے اور ناممکن کو ممکن میں بدلنے کا یہی مؤثر ترین طریقہ ڈھونڈا ہے۔"[۱۵]

یوسا برملا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارا دور متعصبین اور دہشت گردوں کا ہے، سچائی کے مطلق اور اکہرے تصور پر یقین رکھنے والے بنیاد پرستوں کا، یہ گروہ قتل و غارت کے ذریعے اپنے عقیدے کو منوانا اور جنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف آمریت اور بادشاہتوں کے انہدام پر ہمیں امید تھی امن، شانتی، تکثیریت اور انسانی حقوق رفعت پائیں گے مگر ایسا نہیں ہو سکا دنیا خطرناک جنگوں، نسل کشی اور ہولوکاسٹ کی طرف بڑھ گئی اور استحصال و بربریت کی نئی شکلوں نے جنم لیا، نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اس قدر نیوکلیئر ہتھیار جمع کر لیے ہیں کہ کسی دن جنونیوں کا چھوٹا سا گروہ دنیا کے خاتمے کی جنگ چھیڑ سکتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ ختم ہو سکتا ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں ان کا مقابلہ کرنا ہو گا، انھیں روکنا ہو گا جو تہذیب کے صدیوں پر محیط تسلسل کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ہماری آزادی ہم سے چھیننا چاہتے ہیں۔ سیاسی تکثیریت، بقائے باہمی، بردباری، انسانی حقوق، اختلاف رائے اور تنقید کا احترام، قانون کی بالادستی اور آزادانہ انتخابات ہمیں وحشی زندگی سے نکال کر ادب کی وضع کردہ خوبصورت زندگی کے قریب تر لانے والی ہر چیز جسے آپ صرف

ایجاد کرنے اور لکھت کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں، کے لیے ہمیں لبرل جمہوریت کا دفاع کرنا ہو گا۔ یوسا دنیا میں کسی بھی نوع کی آمریت وہ چِلی کے جنرل پنوشے، کیوبا کے فیڈرل کاسترو، افغانستان میں طالبان، ایران میں اِماموں، جنوبی افریقہ میں نسل پرستوں یا برما میں یونیفارم والوں کی ہو، کو ناقابلِ قبول گردانتے ہیں، وہ اپنا موقف کھل کر بیان کرتے ہیں:

> "میں قوم پرستی کی ہر صورت، علاقائی تعصب پر مبنی آئیڈیالوجی، بلکہ کسی بھی ایسے مذہب سے نفرت کرتا ہوں جو کوتاہ نظر، صرف مخصوص طبقے کے لیے ہے اور عقلی افق کو تقسیم کرتا ہے اور اپنے سینے میں لسانی و نسلی تعصبات چھپائے ہوئے ہے، کیوں کہ یہ آپ کے وطن کے حالات کو ایک مطلق قدر، ایک اخلاقیاتی و وجودیاتی مراعات میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مذہب کے علاوہ قوم پرستی بھی تاریخ میں بہت زیادہ قتلِ عام کا سبب بنی ہے، مثلاً دو عالمی جنگیں اور مشرقِ وسطیٰ میں اس وقت جاری خون ریزی۔ لاطینی امریکا کو بے حس لڑائیوں اور تنازعات کے ذریعے خون میں نہلانے میں قوم پرستی نے بہت حصہ ڈالا؛ اس کی وجہ سے فلکیاتی تحقیق کے لیے مختص کردہ وسائل کو سکول، کتب خانے اور ہسپتال بنانے کے بجائے ہتھیاروں کی فروخت پر لٹایا گیا۔"(۱۶)

یوسا آمریت اور نسل پرستی یا آئیڈیالوجی کے لیے کوئی لچک نہیں رکھتے وہ انسانیت کو ایک اکائی میں دیکھتے ہیں جو زبانوں، عقائد، تعصبات، رسوم ورواج اور صنفی تقسیم سے بالاتر محض انسانی قدر ہے۔ موبی ڈک کی سفید وہیل جب کرنل اہب کو سمندر میں دفن کر دیتی ہے، ایما بواری آرسینک کھاتی ہے یا جب ہمیں معلوم پڑتا ہے پیڈرو پرامو گاوں کے سب رہائشی مر چکے ہیں تو ایک خدا پر یقین رکھنے والے، متعدد خداوں کو ماننے والے یا ملحدین ایک ہی نوع کی جھرجھری اپنے بدن میں محسوس کرتے ہیں جو نظریات، عقائد اور صنفی تقسیم سے بالاتر حقیقت ہے۔

یوسا کی شناخت لاطینی امریکی مصنف کی ہے تاہم وہ خود کو بیک وقت قبل از ہسپانوی یعنی ریڈ انڈین اور ہسپانوی ثقافت کا وارث سمجھتے ہیں انھیں پیروئی ہونے اور ہسپانوی پاسپورٹ رکھنے میں کسی عدم مطابقت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ وہ سپین اور پیرو کو ایک ہی سکے کے دو رخ تصور کرتے ہیں جن کی تاریخ، زبان اور ثقافت سب مشترک ہیں۔ لاطینی امریکی لکھاریوں کا یہ امتیاز ہے کہ انھوں نے اپنی ثقافت کو نظر انداز نہیں کیا وہ نو آبادکار سے پہلے اور بعد کی دونوں روایتوں کے امین ہیں، وہ تحریر کی دنیا کے نمائندے ہوتے ہوئے اپنے خطے کی زبانی روایت سے رشتہ قائم رکھتے ہیں۔ یوسا کے نزدیک پیرو اور سپین کی شناختوں میں کوئی تضاد نہیں وہ جہاں اِنکاوں کی وراثت کو قبول کرتے ہیں وہیں امریکا کی پر تشدد تسخیر کرنے والے ہسپانویوں کو بھی اپنے اباواجداد قبول کرتے ہیں۔ وہ لاطینی امریکی ہیں، ہسپانوی زبان میں لکھتے ہیں اسی زبان نے انھیں عالم گیر شہرت دی اسی نے انھیں موقع دیا کہ وہ سٹاک ہولم میں اپنی بات اتنے اہلِ علم کے سامنے رکھ سکیں۔ ۱۹۹۰ میں ایسے ہی ایک اور موقعے پر نوبیل انعام وصول کرتے ہوئے لاطینی امریکی شاعر نے کہا:

> "میرے کلاسیک وہ ہیں جو میری زبان سے تعلق رکھتے ہیں اور میں کسی ہسپانوی ادیب کی طرح خود کو Lope اور Quevedo کا وارث سمجھتا ہوں، اس کے باوجود کہ میں ہسپانوی نہیں ہوں۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

> میری خیال ہے کہ ہسپانوی [لاطینی] امریکا کے زیادہ تر ادیب، اور اسی طرح ریاست ہائے متحدہ امریکا، برازیل اور کناڈا کے تمام ادیب، انگریزی، پرتگالی اور فرانسیسی روایات کے بارے میں بھی یہی کہیں گے۔ امریکاؤں کے ادیبوں کی حیثیت کو زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے ہمیں مکالمے کی اس مثلث کو مدِ نظر رکھنا چاہیے جو جاپانی، چینی اور عرب ادیبوں نے یورپ کے مختلف ادب سے قائم کیے ہیں۔ یہ وہ مکالمہ ہے جو کثیر العناصر زبانوں اور تہذیبوں سے براہِ راست قائم ہے۔ اس کے برعکس ہمارا مکالمہ اس زبان کے اندر ہی ہوتا رہتا ہے۔ ہم یورپی ہوتے ہوئے بھی یورپی نہیں۔ تو پھر ہم ہیں کیا؟ ہماری تعریف کہ ہم کیا ہیں ایک مشکل کام ہے، مگر ہمارا کام ہمارے بارے میں خود بولتا ہے۔"(۱۷)

یہ اقتباس اوکتاویو پاز کی نوبیل پرائز تقریر بعنوان 'موجود کی تلاش میں' سے لیا گیا ہے جس میں لاطینی امریکی ادیبوں اور بطور خاص خود کو ہسپانوی نہ ہوتے ہوئے بھی ہسپانوی ادب کا وارث اور یورپی ہوتے ہوئے بھی خود کو یورپی نہیں تسلیم کیا۔ بالخصوص پاز کی ذاتی اور بالعموم تمام لاطینی امریکی ادیبوں کی اجتماعی شناخت کیا ہے؟ جہاں تک اکتاویو پاز کا تعلق ہے اس نے ہسپانوی نژاد ماں اور ہند ہسپانوی باپ سے جنم لیا اور ہسپانوی زبان میں لکھا مگر اس کی شناخت کیا ہے؟ ہندی، امریکی یا ایک دوغلی نسل؟ یہ سوال محض اوکتاویو پاز تک محدود نہیں ان تمام ادیبوں اور ان کی تحریروں کو درپیش ہے جن کے اباواجداد امریکی اور ہسپانویوں کا آمیزہ ہیں۔ اوکتاویو پاز کا خود کو ہسپانوی سرمائے کا وارث قرار دینے میں کوئی مبالغہ نہیں ان کی پہچان ہسپانوی زبان کے مابعد نو آبادیاتی ادیب ہی کی ہے اور ہسپانوی زبان اپنے اندر یورپی و امریکی ہر دو شناختوں کا حسین امتزاج رکھتی ہے۔ کوئی بھی زبان اس خطے کے صدیوں کے تال میل سے جنم لیتی اور پنپتی ہے لاطینی امریکی زبانیں (ہسپانوی، پرتگیزی یا فرانسیسی) یورپیوں اور مقامی لوگوں کے اتصال کا نتیجہ ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ زبانیں یورپ کی سرزمین سے لاکر لاطینی امریکا میں پیوند کی گئی جس کے باعث لاطینی امریکی ادب پیوندکاری کا نتیجہ ہے یعنی جتنا یورپی ہے اتنا ہی امریکی ہے یا دونوں کا دل کش امتزاج ہے۔ مگر اس ادب کا امتیاز یہ ہے کہ یہ یورپ کا پرتو یا نقالی نہیں اس سے مختلف، منفرد اور یورپی کینن کی نفی کرتا ہے، جس کی نمائندگی اوکتاویو پاز اور دیگر لاطینی امریکی ادباء کرتے ہیں۔

لاطینی امریکا اور اس کا ادب یورپی (ہسپانوی، پرتگیزی اور فرانسیسی) اور مقامی تہذیبوں (مایا، اِنکا اور ایزٹیک) کی آمیزش کا نتیجہ ہے جس کی تہہ میں نو آبادکار کی آمد سے قبل کی اسطور، زبان، رواج اور فن پارے موجود ہی نہیں سانس لیتے اور اپنی موجودگی کا اظہار کرتے ہیں جو اس خطے کی روایت کو یورپی روایت سے جوڑتے بھی ہیں اور علاحدگی بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے جو خطے نو آبادیاتی تجربے سے گزرے ہیں ان کی تاریخ، زبانیں، کلچر اور ادب جہاں نو آبادکار کی تہذیب سے اثر قبول کرتے ہیں وہیں اپنی شناخت پر اصرار بھی کرتے ہیں۔ اوکتاویو پاز یورپی تہذیب سے علاحدہ شناخت کو کسی تھیوری کے بجائے ذاتی تجربے اور واردات سے واضح کرتے ہیں یعنی بطور شاعر ان کے لیے یہ تجربہ کیسا رہا؟

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

پاز اپنے بچپن کے ایک واقعے[۱۸] کی یادداشت (یادداشت کسی تجربے یا واقعے کی بازیافت کم اور تشکیل نو زیادہ کرتی ہے) سے اس تجربے کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ بہت چھوٹے تھے اور اپنے خاندان کے ہمراہ میکسیکو سٹی کے مضافات میں آبائی گھر میں رہائش پذیر تھے جس میں ایک باغیچے اور کتابوں سے بھرے ہوئے کمرے کے علاوہ کچھ خاص نہیں تھا۔ جہاں پاز اپنے عم زادوں کے ہمراہ انجیر، صنوبر اور دیودار کے درختوں میں کھیل کود میں وقت بتاتے یا کبھی کبھار کچھ پڑھنے کی کوشش کرتے۔ مگر اس دور نے انھیں فوری طرح اپنے طلسم میں لے رکھا تھا، کہیں سرسبز درخت تو کہیں سمندر کا نظارہ الغرض وہ اس دنیا کو خیر باد نہیں کہنا چاہتے تھے مگر یہ طلسم آخر کار ایک دن ٹوٹ گیا، ہوا یوں کہ ایک دن ان کی عم زاد جو عمر میں ان سے شاید کچھ زیادہ تھی نے انھیں شمالی امریکا کے کسی رسالے کا نسخہ تھمایا جس میں کسی لمبی چوڑی سڑک پر فوجیوں کی پریڈ کی تصویر شائع کی گئی تھی جو شاید کسی جنگ سے واپس آرہے تھے۔ اس معمولی سے واقعے نے پاز کی زندگی کا رخ بدل دیا ایک لمحے کو پاز کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے حال کے لمحے سے نکال کر کسی اور ہی دنیا میں دھکیل دیا ہو، وہ دنیا تاریخ اور استعمار کی تاریخ کی دنیا ہے، اپنے استحصال اور محرومی کی دنیا ہے، جس کے رد عمل میں انھوں نے اپنی ساری توجہ لمحہء موجود کی تلاش میں لگا دی، وہ لکھتے ہیں:

> "حال کی تلاش نہ تو کسی زمینی جنت کا تعاقب ہے نہ کسی ابدی دوام کی—یہ تلاش ہے اپنی اصل کی ۔ ہم ہسپانوی امریکیوں کے لیے حقیقی حال ہمارے اپنے ملکوں میں نہیں تھا، یہ دوسروں کا گزارا ہوا وقت تھا؛ انگریزوں کا، فرانسیسیوں اور جرمنوں کا۔ یہ نیویارک کا، پیرس کا لندن کا وقت تھا۔ میں نے نظم لکھنی شروع کی، مجھے خبر نہیں کس نے مجھے لکھنے پر اکسایا۔ مجھے ایک اندرونی ضرورت نے اکسایا تھا جس کی تعریف میرے لیے مشکل ہے۔ صرف اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ حال سے میرے اخراج اور شعر لکھنے کے درمیان ایک خفیہ رشتہ تھا۔ شاعری وقتِ موجود سے محبت کرتی ہے اور اس کو نظم میں دوبارہ پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس طرح اس کو تسلسل وقت سے علاحدہ کر کے ایک جامد حال میں تبدیل کرنا چاہتی ہے۔ مگر اس وقت میں سوچ رہا تھا کہ میں یوں لکھتا ہوں، میں لکھتا رہا۔ میں حال میں داخل ہونے کی گزر گاہ کی تلاش میں تھا۔ میں نے اپنے قوت اور اپنی صدی کا ہونا چاہا۔ کچھ عرصے بعد یہ آسیب ایک جامد خیال بن گیا، میں نے ایک جدید شاعر بننا چاہا، جدت کا آغاز ہو چکا تھا۔"[۱۹]

پاز کے اقتباس میں تین باتیں توجہ طلب ہیں اول یہ کہ ہسپانوی امریکیوں (اور تیسری دنیا کے دیگر ملک جو نو آبادی رہ چکے ہیں) کا لمحہ موجود یا حال ہمارے اپنے ملکوں میں نہیں ہوتا، اس پر بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی "غیر" کا اجارہ ہے، نو آبادیات کے خاتمے کے بعد بھی یہ اثرات مقامیت کے لیے سوال بنے رہتے ہیں۔ دوم لمحہ موجود سے بے دخلی اور تخلیق میں کوئی رشتہ ضرور ہے۔ جی ہاں بالکل رشتہ موجود ہے بلکہ دونوں جزو لاینفک ہیں یہ بے دخلی یا Displacement ہی ہے جو تخلیق کے لیے ماحول پیدا کرتی اور تمام تخلیقی کاموں کی قوتِ

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

محرکہ ہے۔ سوم نظم لکھنے یا تحریر کے ذریعے نو آبادیات اور تخلیق کے رشتے کو سمجھنا اور ذات کو لاحق عفریتوں کا مقابلہ کرنا۔ ہم پاز کے آخری نکتے کی جانب پلٹے ہیں کہ انھوں نے جدید شاعر بننا چاہا مگر جدیدیت کیا ہے؟

جدیدیت کی اصطلاح کو عام طور پر ہم عصریت، معاصریت یا روشن خیالی کے معنوں میں برتا جاتا ہے تاہم مشہور فرانسیسی شاعر چارلس بودلیئر (Charles Baudelaire) نے اسے موضوعی تجربے کے بیان کے لیے مخصوص کیا تاہم لاطینی امریکیوں کے لیے جدید کا عمومی مطلب نو آبادیاتی جدیدیت ہے جو مخصوص مقاصد کی خاطر خطے کی زبان، کلچر، تاریخ اور ادب کی تشکیلِ نو ہی نہیں حقائق کو مسخ کرنا بھی ہے جسے زیادہ سے زیادہ "یورپیانے" کا نام دیا جاسکتا ہے۔ پاز اس نو آبادیاتی جدیدیت کی نفی ہی نہیں کرتے اس کے اثرات پر گرفت بھی کرتے ہیں ان کے نزدیک جدیدیت اپنے وسیع معنوں میں بھی کوئی دبستان یا School of Thought نہیں بلکہ طرز فکر ہے جو سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ وقت کی مستقیمی حرکت (Linear Motion of Time) کے تسلسل میں عوامی ناگواری، تنہائی، مذہب اور سیاست پر تنقید، جنسی گھٹن اور قدامت پسندی کو نشانہ بناتی ہے تاہم اس کے اپنے مسائل ہیں۔ یہ فرد کو مرکز بناتے ہوئے ترقی کی اس منزل کو پہنچتی ہے جس کے ڈانڈے ماحول اور انسانی کی تباہی سے جا ملتے ہیں، گذشتہ صدی کی دو بڑی جنگیں ہوں یا پانچ براعظموں کو محیط نو آبادیاتی نظام اور مہلک ہتھیاروں کا کاروبار بہ ہر صورت وہی انسان اس کے نشانے پر ہے جسے یہ اپنی اصل میں مرکزیت دیتی ہے۔ پاز کی باتوں سے اختلاف ممکن نہیں البتہ ان کے ہاں Modernity اور Modernism میں فرق نہیں کیا گیا۔ البتہ وہ اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ دور حاضر نے ماضی کی بہت ساری اقدا کو بدل دیا یا منسوخ کر دیا ہے اپنی صدی میں جینے کا مطلب ان تبدیلیوں کو قبول کرنا اور زندگی کا حصہ بنانا ہے۔ تبدیلی بہ ہر حال زندگی کی علامت ہے اس کی نوعیت فوریت اور انقلاب کی ہو یا کسی ارتقائی عمل کا تسلسل ہو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ وقت نے بڑے بڑے نظریات (Grand Narratives) کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جسے وہ نظریات کے زوال سے تعبیر کرتے ہیں جس کی بہتر تفہیم Post Modernism کے فلسفے میں ہوتی ہے۔ پاز شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے قدیم ورثے کی طرف رجوع کرتے ہیں، ویسے بھی ایک پس نو آبادیاتی مصنف یا شاعر سے اس کے علاوہ کیا توقع کی جاتی ہے کہ جلد یا بدیر اپنی اصل کی طرف رجوع کرے گا کہیں جوابی بیانیے تو کہیں متبادل بیانیے کی صورت میں اس کی مرجعت منطقی ہے۔ بقول پاز:

> "میں خود جدیدیت کے اس مقدس سفر میں راستہ تلاش کرنے کی کوشش میں بہت سے مقامات پر راستہ بھول گیا۔ میں منبعے کی طرف واپس ہوا اور دریافت کیا کہ جدیدیت باہر نہیں مگر ہمارے اندر ہے۔ یہ امروز ہے اور سب سے پرانی قدامت، یہ فردا ہے اور دنیا کی ابتداء، یہ ایک ہزار برس پرانی ہے مگر نوزائیدہ۔۔۔ یہ سالم و ثابت امروز، حال ہی میں کھود کر نکالا گیا صدیوں کی گرد جھاڑتا ہے، مسکراتا ہے اور کھڑکی سے باہر اچانک پرواز شروع کر دیتا ہے۔ وقت اور موجودگی کی بیک وقت کثرت: جدیدیت ماضی قریب سے ناتا توڑتی ہے تاکہ برسوں پرانے ماضی کی بازیافت کر سکے اور پتھر کے دور کی ایک مختصر سی ذرخیزی کو ہمارے عصر میں تبدیل کر سکے۔"(۲۰)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

اس سے قطع نظر حال کا شعور اور ماضی کی بازیافت جدیدیت نہیں مابعد جدیدیت کے عناصر ہیں پاز کا بار بار اپنے ماضی کی طرف رجوع کرنا اور ہسپانویوں اور ان سے قبل کے سارے ورثے کو قبول کرنا ہے اہم ہے۔

پابلو نیرودا اپنی تقریر کا آغاز ایک رومانی اور جاں گداز سفر کے بیان سے کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے ملک اور لاطینی امریکا کے ان خطوں کی طرف کیا جس کا ارادہ اچھا بھلا دل جگر اچاہتا ہے بڑے بڑے پیڑوں پر مشتمل وسیع و عریض جنگلوں، برف اور سبزے سے ڈھکی بلند و بالا چوٹیوں، سنسان اور برف زار پنہائیوں، ناختم ہونے والے میدانوں اور جان لیوا دریاوں کو یہ سفر ایک لاطینی امریکی شاعر کے لیے بیک وقت ذاتی اور لاطینی امریکی دریافت کا سبب بنا، اسی سفر میں اس نے موت کا نہایت قریب سے مشاہدہ کیا، پشتِ فرس پر میلوں کا سفر ہر لمحے امید اور مایوسی کی گود میں کیا تو کہیں اپنے ہی براعظم کے ان لوگوں کے ساتھ کھوپڑی کے گرد رقص کیا کہ تھکن تک اتر گئی، یہ سفر ہر حوالے سے شاعر کی تشکیلِ نو تھی، اس سفر نے اسے اپنے لوگوں کو قریب اور ان کے نقطہ نظر سے سمجھنے کو حوصلہ دیا یہ سفر شاعری کی دریافت کا سفر تھا۔ نیرودا بیان کرتے ہیں اس سفر نے انھیں زمین اور روح سے روشناس کیا جس کی زیریں تہہ میں شاعری جنم لیتی ہے۔ تنہائی اور جذبات شناسی ہی ایسے عوامل ہیں جو کسی تخلیقی انسان میں شاعری کی چھپی چنگاری کو بھڑکانے کا سبب بنتے ہیں، نیرودا نے اسی تنہائی میں اپنی شعری صلاحیت اور اپنے لوگ جو آگے چل کر اس کی شاعری کا موضوع بننے والے تھے کو دریافت کیا۔ حقیقت اور خواب کی اس درمیانی سرحد کی دریافت کو پابلو نیرودا نہ تو سراسر باہر سے مسلط کردہ حقیقت قرار دیتے ہیں نہ باطن کے کسی گمشدہ حصے کی بازیافت جو بیرون سے بالکل لاتعلق اور منقطع ہو بلکہ یہ دریافت درون و بیرون دونوں کے امتزاج سے عبارت ہے۔

نیرودا اسے ذاتی تجربہ، لوگوں کے تقاضے اور الزامات اور تخیل بیک وقت تینوں کی مشترکہ میراث مانتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں ایسی کوئی تنہائی نہیں جس پر قابو نہ پایا جا سکے، اصل میں تنہائی پر قابو پانا اظہار کی کسی نہ کسی صورت کی دریافت میں ہی ممکن ہے جس کے بعد انسان اس بنیادی سوال کا جواب تلاش کرتا ہے کہ ہم کون ہیں؟ یہ سوال کئی بار خود احتسابی کی صورت اختیار کرتا ہے تو کبھی کبھی اس کا مخاطب ذات سے باہر کوئی وجود، محرک اور صورت حال ہو سکتی ہے۔ یہ چاروں صورتیں تخلیق کار کو اس نادیدہ اور لامختتم سفر کا مسافر بنا دیتی ہیں جس کی واپسی کوئی نہ کوئی یادگار چھوڑتی ہے یہ یادگار نظم، گیت، کہانی یا آرٹ کوئی سا نمونہ ہو سکتی ہے۔

اپنی ذات میں جلاوطنی اور گھر واپسی کے اس سفر میں تخلیق کار کے لیے سب سے بڑا خطرہ اپنا دفاع اور دوسروں کو چھوٹا دکھانے کے لیے الزام تراشی ہے جو اسے راستے سے بھٹکا دیتی ہے، اپنا دفاع کرنا یا متعصب ہونا تخلیق کار میں بے اعتمادی کو جنم دیتا ہے جس اس کی تخلیقی صلاحیت کو مردہ کر دیتی ہے۔ نیرودا شاعر کے لیے نانبائی کی تمثیل استعمال کرتے ہیں جو آٹا گوندھنے، روٹیاں بنانے اور اور تنور میں پکنے کے لیے لگانے اور تیار ہو کر فراہم کرنے کے عمل میں کسی فخر کا اظہار نہیں کرتا شاعر کا کام اس سے مختلف نہیں، شاعری کا عمل ایک ہی وقت میں خدائی اختیار اور لاپرائی سے عبارت ہے جس میں ذاتی دفاع اور تعصب وقت کے ضیاع سے زیادہ کچھ نہیں۔ نیرودا شاعر کے منصب کی وضاحت کے بعد اپنے اصل سوال کی طرف پلٹتے ہیں کہ ہم کون ہیں؟ وہ لکھتے ہیں: ہمیں ایک گونگے براعظم کے دور دراز علاقوں کو الفاظ سے بھرنا ہو گا جب کہ ہم قصے کہانیاں گھڑنے اور نام رکھنے کے نشے میں رہتے ہیں۔ شاید میرے معاملے میں بات فیصلہ کن ہے، اور اگر ایسا ہے تو باتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی میری عادت اور میری لاف زنی کچھ نہیں سوائے اس کے کہ یہ ایک عام امریکی

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

باشندے کا روزمرہ کا طریقہ ہے۔ میری نظموں کے ہر ایک ٹکڑے نے کسی ایک مرعی شے کی طرح اپنی جگہ پر ثبت ہونے کا فیصلہ کیا ہے، میری ہر ایک نظم نے کام میں آنے والا پرزہ بننے کا دعویٰ کیا ہے، میرے ہر گیت نے چوراہوں پر راہ نمائی کا نشان بن کر مسافروں کی خدمت کرنے کی کوشش کی ہے، یا ایسا پتھر یا لکڑی کو ٹکڑا بننے کی کوشش کی ہے جس پر کوئی یا بعد میں آنے والا کوئی، نئے نشان کندہ کر سکے۔(۲۱)

نیرودا نے بہت ساری باتوں سے نقاب کشائی کر دی، ایک لاطینی امریکی شاعر اپنے صدیوں تک گونگے رکھے جانے والے براعظم کو زبان دینے اور اپنے لوگوں کے مسائل کو دنیا کے سامنے رکھنے اور ان کا حل دریافت کرنے کے لیے اپنی شاعری کو ذریعہ بناتا ہے، نظم کا مرئی شے کی طرح جگہ لینا، پرزہ بننا یا کم از کم کتبہ بننا جس پر موجود اور آنے والی نسلیں اپنا مدعا تحریر کر سکیں، سماجی تبدیلی کے اس عمل میں حصہ لینا ہے جو قوموں اور معاشروں کی ضمانت ہے۔ نیرودا سماجی تبدیلی کے اس سفر میں اپنے لوگوں کے ساتھ اور طاقت کے ان مراکز کے خلاف ہیں جن کی بقا عوام کو خاموش، بے بس اور حاشیہ نشین رکھنے میں مضمر ہے۔ نیرودا اپنے خطے کا نو آبادیاتی تجربہ ہو یا اس کے تسلسل میں قائم ہونے والی غیر جمہوری طاقتیں کسی سے غافل نہیں اور جانتے ہیں کہ ہماری بقا اسی مزاحمت اور طاقت کے خلاف جدوجہد میں ہے۔ وہ بظاہر خود سے مگر حقیقتاً دنیا بھر کے تخلیق کاروں سے ایک سوال کرتے ہیں کہ جدوجہد کے اس سفر میں اگر میں نے اپنے لوگوں کے حق میں طاقت کے مراکز کے خلاف مزاحمت نہ کی ہوتی تو آج یہ انعام حاصل کرنے کے لیے سر اٹھا کر کھڑا ہوتا؟ یہ دنیا بھر کے تخلیق کاروں کے ضمیر پر تازیانہ ہے کہ جب آپ اپنے خطے اور لوگوں کے ساتھ وفادار ہوتے ہیں تو نہ صرف شہرت اور ناموری آپ کو تلاش کر لیتی ہے بلکہ سر اٹھا کر بات بھی کرتے ہیں۔ نیرودا لاطینی امریکا کی اس جدوجہد کے بارے میں پر یقین ہیں کہ یہ رائیگاں نہیں جائے گی، کیوں کہ جیسے تنہا امید کوئی شے نہیں ایسے ہی تنہا جدوجہد بھی معنی نہیں رکھتی یہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کی طاقت بنتی ہیں اور ہم لاطینی امریکی جدوجہد کے اس سفر میں پر امید ہیں کہ یہ ضرور رنگ لائے گی۔ سماجی تبدیلی کے سفر اور فن کار کے کردار کی تائید گیبریلا مسترال نے جسم اور روح(۲۲) کے لاینفک رشتے سے کی ہے کہ فن کار یا تخلیق کار بہ ہر حال اور بہ ہر صورت مزاحمت کے اس سفر میں اپنے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۲)

لاطینی امریکی نوبیل لاریٹس اپنی نوبیل پرائز تقاریر میں جس اہم مسئلے کو موضوع بناتے ہیں وہ لاطینی امریکی خطے کے باسیوں کے مسائل، ان مسائل کے حل میں فن کار یا تخلیق کار کا کردار اور نو آبادیاتی نظام کے خلاف مزاحمت ہے جو گیبریلا مسترال سے ماریو برگس یوسا تک سب میں مشترک ہے۔ یہ مصنفین اور شعراء کہیں بھی اپنے مسائل سے چشم پوشی کرتے نظر نہیں آتے جس کے باعث یہ اپنے خطے کے مسائل پر طلسمی، طلسماتی یا Magical ہونے کا لیبل قبول نہیں کرتے۔ دوسرا پہلو لاطینی امریکا اور اس کے باسیوں کی شناخت ہے جو نہ تو مکمل طور پر یورپی ہیں نہ امریکی بلکہ ان کی شناخت ان دونوں شناختوں کی آمیزش سے ترتیب پاتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نو آبادیات یا کسی نوع کی فتوح کا تجربہ رکھنے والی نسلوں کا دو تہذیبوں کے ٹکراو، اثر پذیری اور اتصال کے بعد اس نوع کی صورتِ حال کا سامنا کرنا کوئی نئی بات نہیں تاہم مسئلہ تب پیدا ہوتا ہے جب دو شناختیں آپس میں ٹکراو کا شکار ہوں یا ایک کی بقا لازماً دوسری کی بے دخلی

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

سے مشروط کر دی جائے تب یہی شناختیں نہ صرف اچھی بھلی الجھن کا سبب بنتی ہیں بلکہ تشدد[۲۳] کو بھی راہ ملتی ہے۔ پوسٹ نائن الیون دنیا میں مختلف تہذیبوں کے تصادم[۲۴] کی بحث نے خاصی توجہ حاصل کی ہے جس پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنا بہت بڑے خطرے کو جنم دے سکتا ہے۔ شناخت کا معاملہ کافی پیچیدہ ہے تاہم یہ واحد یا اکہری نہیں ہوتی بلکہ ایک فرد ایک ہی وقت میں متعدد شناختوں کا حامل ہو سکتا ہے جس کا حسین امتزاج لاطینی امریکی ادیب ہیں جو امریکی یا ریڈ انڈینز (مقامی) کی وہ نسل ہیں، جن کی رگوں میں یورپی یا ہسپانوی (نو آبادکار) خون دوڑتا ہے، دوسرے لفظوں میں جتنے پورپی ہیں اتنے ہی امریکی ہیں۔ یہ دوغلی یا Hybrid نسل ہیں جو یورپی اور مقامی میں تضاد نہیں دیکھتی، یہ نجیب محفوظ کی طرح دو تہذیبوں کے فرزند ۲۵ ہیں جو بیک وقت فرعون کی سچائی کی جستجو اور مسلمانوں کے علمی و فلسفیانہ سرمائے سے محبت کے امین ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ چلی سے تعلق رکھنے والی Lucila Godoy Alcoyoga جس نے فرانسیسی شاعر Frederic Mistral اور اٹلی کے مصنف Gabriele d Annunzio سے متاثر ہو کر Gabriela Mistral کا قلمی نام اختیار کرنے والی شاعرہ، ۷۔ اپریل ۱۸۸۹ میں پیدا ہوئیں لاطینی امریکا کی پہلی ادیبہ ہیں جنھیں ۱۹۴۵ میں نوبیل انعام سے نوازا گیا۔ خاندانی طور پر باسک اور ہندوستان کی مخلوق نسل سے متعلق اور بہ لحاظ پیشہ مدرس تھیں، مسترال کی شہرت ادب اور زندگی سے متعلق ان کے موقف اور غنائی شاعرہ کی ہے جس کو سب سے بڑا موضوع زندگی کی تلخی اور موت ہے، مسترال نے تین درجن کے قریب شعری مجموعے چھورتے ہوئے ۱۰۔ جون ۱۹۵۷ میں انتقال کیا۔ گوئٹے مالا کے Maguel Angel Austurias (۱۹۔ اکتوبر ۱۸۹۹-۹۔ جون ۱۹۷۴) دوسرے ادیب اور ناول نگار ہیں جنھیں ۱۹۶۷ میں یہ انعام دیا گیا ان کی نوبیل پرائز تقریر کا عنوان 'لاطینی امریکی ناول: ایک عہد کی گواہی ہے۔ لاطینی امریکا سے متعلق تیسرے شاعر Ricardo Eliecer Neftali Royes Basoalto جنھوں نے ایک چیک شاعر Jan Neruda سے متاثر ہو کر Pablo Neruda کا قلمی نام اختیار، کیا کا تعلق بھی چلی سے ہے۔ پابلو نیرودا (۱۲۔ جولائی ۱۹۰۴-۲۳۔ ستمبر ۱۹۷۳) کی شہرت سینیٹر، سفیر اور شاعر کی ہے جس نے انسان اور زمین کے مابین ہم آہنگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور چالیس کے قریب شعری مجموعے ورثے میں چھوڑے ۱۹۷۱ میں نوبیل انعام حاصل کیا اور تقریر کا عنوان 'اک شہر دل فریب ہے'۔ ۱۹۸۲ میں نوبیل انعام حاصل کرنے والے کولمبین ناول نگار اور صحافی Gabriel Garcia Marquez ۶۔ مارچ ۱۹۲۷ کو پیدا ہوئے (اور ۱۷۔ اپریل ۲۰۱۴ کو انتقال کیا) کی شہرت نانی اور خالاوں سے کہانی سن کر بیان کرنے والے ادیب کی ہے جو اردو کے افسانہ وناول نگار انتظار حسین سے خاصی مشترک ہے، مارکیز نے 'لاطینی امریکا کی تنہائی' کے عنوان سے تقریر کی۔ پانچواں پرائز میکسیکو کے سفیر اور شاعر Octavio Paz کو ۱۹۹۰ میں دیا گیا جو ۳۱۔ مارچ ۱۹۱۴ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۔ اپریل ۱۹۹۸ کو انتقال کیا ان کی تقریر کا عنوان 'موجود کی تلاش' ہے۔ ادب کا آخری نوبیل پرائز ۲۰۱۰ میں پیرو کے ناول گار Gorge Mario Pedro Vargas Llosa جو ماریو برگس یوسا (پیدائش: ۲۸۔ مارچ ۱۹۳۶) کے نام سے جانے جاتے ہیں کو دیا گیا جو لاطینی امریکی بوم سے تعلق رکھنے والوں میں آخری بقید حیات ادیب ہیں ان کی تقریر کا عنوان 'مطالعہ اور فکشن کی مداح میں' ہے۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

۲۔ آستوریاس، میگل اینجل، نوبیل ادبیات، مترجم: باقر نقوی، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۱۰، ص ۴۲۶

۳۔ آستوریاس، میگل اینجل، نوبیل ادبیات، ص ۴۲۱

۴۔ ایضاً، ص ۴۲۶، ۴۲۷

۵۔ مارکیز، گابرئیل گارسیا، منتخب تحریریں، آج، کراچی، ۲۰۱۱، ص ۵۲۵

۶۔ سوزن بیسنیٹ، تقابلی ادب: ایک تنقیدی جائزہ، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵، ص ۱۳۷

۷۔ مارکیز، گابرئیل گارسیا، منتخب تحریریں، آج، کراچی، ۲۰۱۱، ص ۵۲۸

۸۔ مارکیز، گابرئیل گارسیا، منتخب تحریریں، ص ۵۲۹

۹۔ ایضاً، ص ۵۳۰

۱۰۔ ارندھتی رائے، تخئیل کی موت، مترجم: اجمل کمال، آج، کراچی، ۲۰۲۱، ص ۳۴

۱۱۔ یوسا، ماریو برگس، انٹرویو، مشمولہ، فنِ فکشن نگاری، مترجم: محمد عمر میمن، دانیال، کراچی، ۲۰۱۶، ص ۶۷

۱۲۔ یوسا، ماریو برگس، نوبیل خطبات (ادب)، مترجم: یاسر جواد، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۱۸، ص ۱۱۵

۱۳۔ یوسا، ماریو برگس، نوبیل خطبات، ص ۱۱۶

۱۴۔ برٹرینڈ رسل، فلسفہء مغرب کی تاریخ، مترجم: پروفیسر محمد بشیر، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۹، ص ۱۵۴

۱۵۔ یوسا، ماریو برگس، نوبیل خطبات (ادب)، مترجم: یاسر جواد، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۱۸، ص ۱۲۶

۱۶۔ یوسا، ماریو برگس، نوبیل خطبات، ص ۱۲۲، ۱۲۱

۱۷۔ اوکتاویو پاز، نوبیل ادبیات، مترجم: باقر نقوی، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۱۰، ص ۱۶۵

۱۸۔ اوکتاویو پاز، نوبیل ادبیات، ص ۱۶۸

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۶۸

۲۰۔ ایضاً، ۱۷۴

۲۱۔ پابلو نیرودا، نوبیل ادبیات، مترجم: باقر نقوی، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۱۰، ص ۳۷۸

۲۲۔ گیبریلا مسترال، نوبیل ادبیات، مترجم: باقر نقوی، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۱۰، ص ۵۷۷

۲۳۔ امرتیا سین، تشخص اور تشدد، مترجم: پروفیسر مقبول الٰہی، مشعل بکس، لاہور، ۲۰۰۹، ص ۸

۲۴۔ سیمویل پی ہنٹنگٹن کی تصنیف The Clash of Civilization and the Remaking of World Order کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

۲۵۔ نجیب محفوظ، نوبیل ادبیات، مترجم: باقر نقوی، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۱۰، ص ۱۹۳

References in Roman Script:

1. chali se talluq rakhnay wali Lucila Godoy Alcoyoga jis ne francesi shayar Frederic Mistral or italy ke musannif Gabriele d Annunzio sai mutasir ho kar Gabriela Mistral ka qalmi naam ikhtiyar karne wali shaeirah, 7. April 1889 mein peda huien lateeni America ki pehli Adiba hain jinhen 1945 mein nobel inaam se nawaza gaya. khandani tor par Basik aur hindostan ki makhlooq nasal se mutaliq aur bah lehaaz pesha mudarris theen ,Mistral ki shohrat adab aur zindagi se mutaliq un ke muaqqaf aur ganai shaeirah ki hai jis ko sab se bara mauzo zindagi ki talkhi aur mout hai ,Mistral ne teen darjan ke qareeb sheri majmoay chhorte hue 10. June 1957 mein intqaal kya. goyte malaa ke maguel angel austurias (19. october 1899-9. June 1974) dosray Adeeb aur novel nigaar hain jinhen 1967 mein yeh inaam diya gaya un ki nobil prize taqreer ka unwan' lateeni Amrici novel : aik ehad ki gawahi hai. lateeni America se mutaliq teesray shayar ricardo eliecer neftali royes basoalto jinhon ne aik check shayar jan neruda sy mutasir ho kar pablo Neruda ka qalmi naam ikhtiyar, kya ka talluq bhi chali se hai. pablo niroda (12. July 1904-23. September 1973) ki shohrat senetor, safeer aur shayar ki hai jis ne insaan aur zameen ke mabain hum ahangi ko apni shairi ka mauzo banaya aur chalees ke qareeb sheri majmoay virsay mein chhorey 1971 mein nobil inaam haasil kya or takreer ka unwan' ik shehar dil fraib hai ‘ 1982 mein nobil inaam haasil karne walay colmbine novel nigaar aur sahafi gabriel garcia marquez 6. March 1927 ko peda hue (17. April 2014 ko intqaal kya) ki shohrat nani aur khalalun se kahani sun kar bayan karne walay Adeeb ki hai jo urdu ke afsana o novel nigaar intzaar Hussain se khasi mushtarik hai ,Markeez ne' lateeni America ki tanhai' ke unwan se taqreer ki. panchawan prize mexico ke safeer aur shayar octavio paz ko 1990 mein diya gaya jo 31. March 1914 mein peda hue aur 19. April 1998 ko intqaal kya un ki taqreer ka unwan' mojood ki talaash' hai. adab ka aakhri nobil prize 2010 mein pairo ke novel gaar gorge mario pedro vargas Llosa jo mario brgs yosa (paidaiesh : 28. March 1936) ke naam se jane jatay hain ko diya gaya jo lateeni Amrici boom se talluq rakhnay walon mein aakhri baqeed hayaat Adeeb hain un ki taqreer ka unwan' mutalea aur fiction ki madah mein' hai.
2. Asturias, Miguel Angel, Nobel Adbiyat Mutrjm:Baqir Naqvi, Acadmi Bazyaft, Karachi, 2010, P. 426
3. Asturias, Miguel Angel, Nobel Adbiyat, P. 421
4. Ibid, P. 426, 427
5. Marquez, Gabrial Garcia, Montakhab Tehreren, Aaj, Karachi, 2011, P. 525
6. Susan Bassnett, Taqabli Adab: Ayk Tanqidi Motala, Mutrjm:Touhid Ahmad, Poorab Academy, Islamabad, 2015, P. 137
7. Marquez, Gabrial Garcia, Montakhab Tehreren, Aaj, Karachi, 2011, P. 528
8. Marquez, Gabrial Garcia, Montakhab Tehreren, P. 529
9. Ibid, P. 530
10. Arundhati Roy, Takhayal ki Maot, Mutrjm:Ajmal Kamal, Aaj, Karachi, 2021, P. 34
11. Llosa, Mario Vargas, Interview, Mashmoola: Fan e Fiction Nigari, Mutrjm: Muhammd Umar Memon, Danial, Karachi, 2016, P. 67

12. Llosa, Mario Vargas, Nobel Khutbat, Mutrjm:Yasir Jawwad, Urdu Science Board, Lahore, 2018, P. 115
13. Llosa, Mario Vargas, Nobel Khutbat, P. 116
14. Bertrand Russel, Falsafa e Maghrib ki Tareekh, Mutrjm: Muhammad Bashir, Poorab Academy, Islamabad, 2019, P. 154
15. Llosa, Mario Vargas, Nobel Khutbat, Mutrjm:Yasir Jawwad, Urdu Science Board, Lahore, 2018, P. 126
16. Llosa, Mario Vargas, Nobel Khutbat, P. 121, 122
17. Octavio Paz, Nobel Adbiyat, Mutrjm:Baqir Naqvi, Acadmi Bazyaft, Karachi, 2010, P. 165
18. Octavio Paz, Nobel Adbiyat, P. 168
19. Ibid, P. 168
20. Ibid, P. 174
21. Pablo Neruda, Nobel Adbiyat, Mutrjm:Baqir Naqvi, Acadmi Bazyaft, Karachi, 2010, P. 378
22. Gabriela Mistral, Nobel Adbiyat, Mutrjm:Baqir Naqvi, Acadmi Bazyaft, Karachi, 2010, P. 677
23. Amertya Sen, Tashakhus aor Tashaddud, Mutrjm:Prof. Maqbool Elahi, Mashal Books, Lahore, 2009, P. 8
24. Smuel P. Huntington, Clash Of Civilization
25. Naguib Mahfouz, Nobel Adbiyat, Mutrjm:Baqir Naqvi, Acadmi Bazyaft, Karachi, 2010, P.193

Mr. Qamar Abbas Alvi received the M. Phil degree in Urdu. He is currently pursuing the Ph.D. degree and serving as a lecturer at the Department of Urdu, University of Jhang, Pakistan. He has authored over 18 publications in different journals and conferences. His current research interests include Urdu criticism and translations of world literature.